 

26-09-2016

شُد پریشاں خوابِ مَن اَز کثرتِ تعبیر ہا

مفتی منیب الرحمٰن

ناصر علی سرہندی کا یہ مصرع لاشعوری طور پر گزشتہ ایک دن سے ذہن میں گردش کر رہا تھا، سوچا اُن کے پورے اشعار تلاش کر کے پڑھے جائیں، اُن کی طویل فارسی نظم کے چند اشعار کسی ترتیب کے بغیر میں نے آپ کے لیے منتخب کیے ہیں:

زِ اختلاف ایں و آں، سررشتہ را گم کردہ ام	شُد پریشان خواب مَن، اَز کثرت تعبیر ہا
گوہر چوں خود شناسی، نیست در بحر وجود	ما بہ گرد خویش می گردیم چوں گرد ابہا
لفظ گردارد تفاوت، صورت و معنی یکیست	اختلاف کفر و دیں، آئینہ دار وحدت است
اہل ہمت را نباشد، تکیہ بر بازوئے کس	خیمۂ افلاک، بے چوب وطناب استادہ است
عزت اَرباب معنی، نیست اَز نام پدر	بے نیاز اَز بحر گردد قطرہ، چون گوہر شود

ترجمہ: ''ایں و آں (یہ اور وہ) کے اختلاف میں پڑ کر میں نے اپنے کلام کا مقصود ہی گم کر دیا، سو کثرتِ تعبیر کے سبب میرا خواب ہی بکھر گیا۔ اس کائنات کے سمندر میں خود شناسی یا خود آگاہی سے بڑھ کر کوئی قیمتی موتی نہیں ہے، میں سمندر میں اُبھرنے والے گرداب کی طرح اپنی ذات کے گرد ہی گھومتا رہتا ہوں۔ لفظوں میں اگرچہ فرق ہوتا ہے، صورت و معنیٰ تو ایک ہی ہے، کفر اور دین کا اختلاف بھی وحدت کا آئینہ دار ہے (کیونکہ عربی کا مقولہ ہے: چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں، یعنی شرک کی حقیقت سمجھے بغیر توحید کی معنویت کا پوری طرح ادراک نہیں کیا جاسکتا)۔ اہلِ عزیمت واستقامت کو دوسروں پر انحصار نہیں کرنا چاہیے (یعنی خود اعتمادی اور خود انحصاری ہی انسان کا کمال ہے)، (تم دیکھتے ہو کہ) اَفلاک کا خیمہ کسی ستون اور اُس سے بندھی جانے والی رسی (طناب) کے سہارے کے بغیر کھڑا ہے۔ اہلِ کمال کی عزت نسبی تفاخر پر نہیں ہوتی (بلکہ ذاتی خوبیوں کی بنا پر ہوتی ہے)، قطرہ جب سمندر سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اپنی خوبی پر انحصار کرتا ہے، تو قیمتی موتی بن جاتا ہے''۔

ہم بھی بحیثیتِ قوم ذہنی انتشار (Confusion) کا شکار ایک ہجوم (Mob) کی حیثیت اختیار کرتے جا رہے ہیں، جس کی کوئی سَمت واضح نہیں ہے۔ ہمارا میڈیا اس فکری انتشار میں روز بروز اضافہ کیے چلا جا رہا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب وطنِ عزیز حالتِ جنگ میں ہے اور ہمارا اَزلی دشمن بھارت ہمارے وطن کا محاصرہ کرنے کی ہر ممکن تدبیر کر رہا ہے، ہمارے میڈیا کی تدبیر صرف اور صرف ریٹنگ ہے۔ نتائج وعواقب سے بے پرواہ ہو کر اندھا دھند ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی تگ و دو جاری ہے، ایسے میں فکر کی راستی (Righteousness) کی توقع عبث ہے۔ حال ہی میں جناب سلیم صافی نے بحیثیتِ ایک طبقہ خود احتسابی کی روایت قائم کرتے ہوئے ''میڈیا کے جرائم'' کے عنوان سے ایک چشم کُشا آرٹیکل لکھا ہے، لیکن ایسی تمام مثبت اور مُصلحانہ کاوشیں دیوار سے ٹکر مارنے کے

مُترادف ہیں، کیونکہ جنہیں خطاب کیا جارہا ہے، وہ اپنے حال میں مگن ہیں، وہ ہر تنقید سے بالاتر ہیں، دانش وفراست کے سارے سرچشمے اُنہی کی ذات سے پھوٹتے (Gush Out) ہیں اور اُنہی کی ذات پر جاکر ختم ہوجاتے ہیں، ایسے میں اِخلاص پر مبنی یہ کاوشیں صرف اجرِ آخرت پانے ہی کا ذریعہ بن سکتی ہیں، ہمارے اس ماحول میں اُن کا نتیجہ خیز ہونا مشکل ہے۔

جناب محمد نواز شریف سے ہم نفرت کریں یا محبت، اُن کی صورت ہمیں پسند ہو یا ناپسند، کسی کی نظر میں اُن کی ادائیں دلرُبا ہوں یا انتہائی کریہہُ المنظر، بہرحال لمحۂ موجود میں وہ ہمارے وزیرِ اعظم ہیں اور بیرونی دنیا میں وہی پاکستان کے ترجمان ہیں اور جو کچھ وہ بولیں گے، وہی ہمارا ریاستی اور حکومتی موقف سمجھا جائے گا۔ اُنہوں نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سالانہ اجلاس سے خطاب کیا، اس کا وقت ساڑھے سترہ منٹ بتایا جاتا ہے اور اِس مختصر وقت میں چند موضوعات ہی کو سمیٹا جاسکتا ہے، ملک وقوم کے مفاد سے متعلق سارے موضوعات کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ خواہ کوئی کتنا ہی فصیح البیان اور قادر الکلام ہو، ایسے مواقع کی تنگ دامانی کی تصویر کشی ایک فارسی شاعر نے اِس شعر میں کی ہے:

درمیانِ قعرِ دریا، تختہ بندم کردہ ای　　　باز می گوئی کہ دامن تر مکن، ہشیار باش

ترجمہ: ''دریا کے وسط میں مجھے تختے پر بٹھادیا ہے اور پھر یہ مطالبہ کررہے ہو کہ ہوشیار، خبردار دامن پر کوئی چھینٹ نہ آئے''، کیا ایسا ممکن ہے۔ سو وہ تقریر کوئی بھی دانائے روزگار لکھتا، اُس سے بڑا دوسرا دانا اُسے نامکمل اور ناتمام ہی قرار دیتا۔ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان کے ساتھ حالیہ تناؤ اور اُڑی سیکٹر میں ہندوستانی فوجی کیمپ پر حملے کے تناظر میں کشمیر ہی بنیادی موضوع ہونا چاہیے تھا اور اُنہوں نے اُسے عالمی برادری کے سامنے موضوعِ سُخن بنایا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ موضوعات تو بہت ہیں، بلوچستان اور پاکستان کے دیگر مقامات پر ہندوستانی ایجنسیوں کی سبوتاژ کی کارروائیاں، افغانستان کی حکومت کو پاکستان کے خلاف استعمال کرنا، امریکا کی سرپرستی میں پاکستان کے خلاف حصار باندھ کر سفارتی تنہائی سے دوچار کرنا، اِن میں سے ہر مسئلے پر گھنٹوں بات ہوسکتی ہے۔ پس ہمیں اس موقع پر یہ بحث نہیں کرنی چاہیے کہ کون کون سا موضوع رہ گیا، اس زاویے سے دیکھنا چاہیے کہ جو کچھ کہا گیا ہے، وہ موقع کی مناسبت سے درست ہے یا نہیں، اگر جواب اثبات میں ہے، تو اسے غنیمت جانیے!۔

ایک چینل پر ممتحنین، جو بلاشبہ ماہر تجزیہ کار اور دانائے روزگار ہیں، وزیرِ اعظم کی تقریر کی مارکنگ کرنے بیٹھ گئے، کسی نے زیرو مارکس دیے، کسی نے چالیس فیصد پر بمشکل پاس کیا اور ایک سخی داتا نے ساٹھ نمبر دے دیے۔ ہونا یہ چاہیے کہ زیرِ بحث موضوع کے پہلوؤں کو اور حالات کی سنگینی کو قوم کے سامنے پیش کیا جاتا اور قوم کو یہ باور کرایا جاتا کہ اِس وقت پاکستان سے ہندوستان کو صرف ایک پیغام جانا چاہیے کہ ہم مقبوضہ کشمیر کے مسئلے اور پاکستان کو عدمِ استحکام سے دوچار کرنے کی سازشوں پر بحیثیتِ قوم یکسو ہیں، یک جان ہیں اور یک آواز ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے نازک موقع پر وزیرِ اعظم کو پارلیمنٹ اور پوری قوم کو اعتماد میں لینا چاہیے اور کل جماعتی کانفرنس بلانی چاہیے، جو محض پہلے سے تیار کردہ ایک قرارداد کی توثیق کے لیے نہ ہو بلکہ تفصیلی بحث کرکے اجماعی موقف طے کرنا چاہیے کہ ہم ہندوستان کی سازشوں کو کس طرح سے Confront کریں اور اُن کا توڑ نکالنے کی تدبیر کریں۔

میں نے امریکا اور برطانیہ میں اپنے چند دوستوں سے پوچھا کہ اِن دنوں پاک وہند میں جو شدید تناؤ ہے، جنگ کی سی کیفیت ہے

Part-3

اور ایسا لگتا ہے کہ کسی وقت کچھ بھی ہوسکتا ہے، کیا وہاں کا میڈیا اس صورت حال کو کوئی اہمیت دے رہا ہے، اِس کی سنگینی کا اُسے اِدراک ہے ،تو مجھے بتایا گیا کہ اِس سطح پر بالکل نہیں ہے، اِس حوالے سے ٹیلی وژن چینلز بی بی سی، سی این این اور فوکس نیوز پر کوئی ہیڈلائنز نہیں چلتیں ،بعض اوقات بین السطور میں کوئی بات آجاتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ اگر ایسا ہے، تو اُس کا سبب کیا ہے یا وہ اِسے سنجیدگی سے کیوں نہیں لے رہے ہیں۔ برطانیہ کے دوست نے بتایا کہ یورپین یونین سے برطانیہ کے خروج (Brexit) کے مابعد کے حوالے سے وہاں منصوبہ بندی جاری ہے، کیونکہ یورپین یونین کی فری مارکیٹ برطانیہ کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور اُسے مختلف یورپی ممالک کے ساتھ دوطرفہ (Bilateral) معاہدے کرنے پڑیں گے اور اُن کے پاس سب سے بڑا متبادل سوا ارب آبادی پر مشتمل انڈیا ہے، لہٰذا وہ انڈیا سے دست برداری کا تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے اور نہ ہی پاکستان کو اُس پر ترجیح دے سکتے ہیں۔

پس اِن حالات میں پاکستان کی معاشی بقا و استحکام کا بہترین متبادل چائنا پاک اقتصادی شاہراہ (CPEC) ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اِس کی تکمیل کی صورت میں پاکستان کے لیے امکانات (Opportunities) کی ایک وسیع دنیا ہے اور اِس کا اصل منصوبہ ساز اور اِس کی رگوں میں سرمائے کے خون کی گردش کا اہتمام کرنے والا چین ہے اور مستقبلِ قریب یا بعید میں امریکا کو چیلنج کرنے والی اگر کوئی امکانی سپر پاور وجود میں آسکتی ہے، تو وہ بھی چین ہی ہے۔ روس بھی اپنے صدر ولادیمیر پیوٹن کی سربراہی میں انگڑائیاں لے رہا ہے، اُسے بھی ماضی میں طویل عرصے تک اپنا تزویراتی شراکت دار اور روسی اسلحے کا دنیا میں سب سے بڑا خریدار ہونے کے باوجود امریکا اور مغرب کی سرپرستی میں جانے کے حوالے سے انڈیا کے تحویلِ قبلہ کا بخوبی اِدراک ہوچکا ہے۔ پاکستان کی مُسلّح افواج کے ساتھ روس کی فوجی مشقیں دراصل انڈیا ہی کو مُتنبہ کرنے کے لیے ہیں۔ کیونکہ انڈیا اگرچہ جاپان، فرانس، برطانیہ، جرمنی اور امریکا سے بڑے پیمانے پر اسلحے کے سودے کر رہا ہے، لیکن اُس کی مُسلّح افواج کو دفاعی ٹیکنالوجی کے اعتبار سے مغرب کی طرف منتقلی کے اِس دورانیے میں مشکلات سے گزرنا پڑے گا۔ جبکہ اس کے برعکس پاکستان کے جدید ترین جنگی طیارے جے ایف 17 تھنڈر کا انجن اور دیگر کئی پُرزے رشین ٹیکنالوجی سے مستفاد ہیں اور کافی عرصے سے پاکستان یوکرائن وغیرہ سے جنگی ٹینک خرید رہا ہے، کیونکہ ایک عرصے سے امریکا پاکستان کا قابلِ اعتماد حلیف نہیں رہا۔

ماضی میں پیشگی قیمت ادا کرنے کے باوجود پریسلر ترمیم کے ذریعے پاکستان کو چالیس F.16 جیٹ فائٹر طیاروں کی فراہمی روک دی گئی تھی۔ اب جنوری 2016ء میں امریکی کانگریس نے، اپنے دو ارا کین Ted Poe اور Dan Rohrabacher کی پیش کردہ ایک ترمیم کے ذریعے، پاکستان کو تھرڈ جنریشن کے آٹھ F.16 جیٹ فائٹر طیاروں کی فراہمی روک دی ہے، کیونکہ اُن کی قیمت کا ایک مُعتد بہ حصہ پاکستان کے لیے امریکا کی دفاعی امداد میں سے وضع ہونا تھا۔ اِس کے برعکس نائن الیون کے حوالے سے معاوضہ طلب کرنے کے لیے امریکی شہریوں کو سعودی عرب کے خلاف امریکی عدالتوں میں مُقدمات دائر کرنے کی بابت امریکی کانگریس نے جو بل پاس کیا تھا، اُسے صدر امریکا بارا ک حسین اوباما نے 23 ستمبر کو ویٹو کردیا ہے، جبکہ آج تک پاکستان کے خلاف امریکی کانگریس سے پاس کیے جانے والے کسی بھی بل کو اوباما سمیت کسی بھی صدر نے ویٹو نہیں کیا۔

(روزنامہ دنیا، 26 ستمبر 2016ء)